عبداللہ نعیم رسول
لیکچرر، شعبہ اردو، پنجاب کالج، کینٹ راولپنڈی
قیصر جاوید
لیکچرر، شعبہ اردو، کیڈٹ کالج سوات، خیبر پختون خواہ
عادل بادشاہ
ایس ایس اردو، گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول گکھڑ

غزلیاتِ گوہر۔ماحولیاتی تنقید کے تناظر میں

Gohar's Ghazals (in the Context of Ecocriticism)

Abstract:

Ecocriticism is a relatively new field of study, which addresses the environmental crisis as well as echoes of nature in literature. A modern and important wave of ecocriticism is anthropocentrism. Under the theory of anthropocentrism, humans advanced in the direction of scientific evolution and made new inventions in the world of technology, as a result of which the world faced an environmental crisis. While writers and poets made social sciences the center of writing, they also wrote in environmental perspective. Ecocriticism explains how writers addressed this important issue and which environmental issues became part of their fiction and poetry. Also, environmental criticism offers an analytical study of literature.

Afzal Gohar is a famous poet of Urdu Ghazal. Although there are a variety of themes in his ghazals, it would be right to call Afzal Gohar a poet of environment. As much as Afzal Gohar has seen and written about the environment from different aspects, I think no ghazal poet has written like this till date. In this article, an analytical study of Afzal Gohar's Ghazal is presented in the context of Ecocriticism.

Key words: Ecology, Ecocriticism, Nature, Anthropocentrism, Environmental Crises, Poetry, Analysis

ایکو (eco) کا لغوی معنی ماحول ہے، اسی سے Ecology (ماحولیات) ہے جو آج کل جامعات میں بطور مضمون بھی پڑھایا جا رہا ہے۔ ماحول سے مراد ارد گرد (surroundings) ہے۔ ہمارے ہاں ماحول کے لیے environment کا لفظ بھی مستعمل ہے، جو کہ فرانسیسی زبان کے لفظ environ[1] سے اخذ شدہ ہے۔ البتہ ماحول (Environment) اور ماحولیات (Ecology) میں بنیادی فرق ہے۔ انوائرنمنٹ میں فطرت اور غیر جاندار اشیا کا مطالعہ کیا جاتا ہے جب کہ ایکولوجی میں جاندار اور غیر جاندار عناصر کے باہمی تعلق کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ انسانوں کے غیر جانداروں اور فطرت کے ساتھ تعلقات و تفاعلات کا جائزہ لیا جاتا ہے، سو ماحولیات (Ecology)، ماحول کے مطالعے (Environmental studies) سے زیادہ پیچیدہ موضوع ہے۔

اکیسویں صدی میں ادبی دھارے کی تیز رفتاری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ نت نئے رجحانات اور نظریات چند لمحوں میں منظر نامے پر آتے ہیں اور پھر ان کے مخالف نظریات جنم لیتے ہیں، یوں یہ دھارا تسلسل اور روانی سے بہتا ہی چلا جا رہا ہے۔ مابعد جدید تنقیدی رجحانات میں سے ایک ماحولیاتی تنقید بھی ہے۔ امریکہ میں 60 کی دہائی میں ماحولیاتی مضامین جگہ بناتے دکھائی دیتے ہیں البتہ ماحولیاتی تنقید کی اصطلاح پہلی مرتبہ ولیم روئیکرٹ نے اپنے مضمون Literature and Ecology: An Experiment in Ecocriticism(1978) میں استعمال کی۔ ہیرلڈ فرام اور شیرل گلاٹ فیلٹی نے The Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology کے عنوان سے ایک مجموعہ ترتیب دیا، جس میں چھبیس (26) ماحولیاتی مضامین شامل کیے۔ ان مضامین میں سے دس کا ترجمہ ماحولیاتی تنقید : نظریہ و عمل کے نام سے ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی نے کیا ہے۔ ماحولیات پر ابتدائی کام محدود (انفرادی) سطح پر ہوتا رہا مگر اجتماعی سطح پر 90 کی دہائی پر ماحولیات پر کام کا آغاز ہوا اور آج ملک در ملک بلکہ شہر در شہر انفرادی و تنظیمی بنیادوں پر، نظریاتی و عملی سطح پر اس پہلو پر کام جاری ہے، اس کی بنیادی وجہ آج کے ماحولیاتی چیلنجز ہیں۔ ماحولیاتی مباحث کا آغاز امریکہ میں اس وقت شروع ہوا جب دنیا بڑی سطح پر ماحولیاتی خطرات سے دوچار ہونا شروع ہوئی۔ علمی حلقوں میں جب (بیسویں صدی میں) سماجی و نفسیاتی علوم مرکزِ نگاہ تھے، اس وقت اخبارات کا رخ کس طرف تھا، اس کا جواب شیرل گلاٹ فیلٹی اپنے مضمون Introduction: Literary studies in an age of Environmental crisis میں دیتی ہیں:

If your knowledge of the outside world were limited to what you could infer from the major publications of the literary profession, you would quickly discern that race, class and gender were the hot topics of late twentieth century, but you would never suspect that the earth's life support system were under stress. , Indeed, you might never know that there was an earth at all. In contrast , if you were to scan the newspaper headlines of the same period , you would learn of oil spills, lead and asbestos, poisoning, toxic waste contamination, extinction of species at an unprecedented rate, battles over public land use, protests over nuclear waste dumps, a growing hole in the ozone layer, prediction of global warming, acid rain, topsoil, destruction of the tropical rain forest, controversy over the spotted Owl in the pacific Northwest, a wildfire in yellow stone park, medical syringes washing on to the shores of Atlantic beaches , boycott of tuna overtopped aquafers in the west, illegal dumping in the east, a nuclear reactor disaster in Chernobyl, new auto emissions standards, famines, droughts, floods, hurricanes, a United Nations special conference on environment and development, a U.S president declaring the 1990s "the decade of the environment" and a world population that topped five billion. Browsing through periodicals, you would discover that in 1989 Time magazine's person of the year award went to "The Endangered Earth."[2]

شیرل گلاٹفیلٹی(Cheryll Glotfelty)ماحولیاتی تنقید کی تعریف یوں کرتی ہے:

"Ecocriticism is the study of the relationship between literature and physical environment."[3]

شیرل کی اس تعریف سے ایک بات بڑی واضح ہے اور وہ یہ کہ ادب اور سائنس کا آپس میں ایک تعلق موجود ہے۔ اس نے ادب اور طبعی ماحول کے تعلق کے مطالعہ کو ماحولیاتی تنقید کہا ہے۔ طبعی ماحول سے مراد فطرت ہے اور یہی ماحولیاتی تنقید کی ابتدائی لہر ہے۔ یورپ میں فطرت نگاری کی سمت جب توجہ مرکوز ہوئی تو طبعی ماحولیات اور فطری مناظر سے نظموں کو آراستہ کیا جانے لگا، جس کی معروف مثال ورڈز ورتھ کی نظمیں ہیں۔ نشانِ خاطر رہے کہ فطرت نگاری ماحولیاتی مطالعات کا ایک جز ہے، کل نہیں۔ ماحولیاتی مطالعے کی اہم ترین لہر بشر مرکزیت کی لہر ہے۔ ماحولیاتی مطالعات کے آغاز کا زمانہ بیسویں صدی عیسوی کا ہے۔ جب دنیا میں دو ہولناک جنگیں رونما ہوئیں اور اس کے نتیجے میں ماحول کو ناقابلِ یقین نقصان ہوا تو ایسے خوفناک حالات بشر مرکزی فلسفے کی

ہی دین تھے۔ ابتدا میں تو انسان صحت مند اور توانا تھا کیوں کہ اس کا زمین سے پختہ رشتہ تھا۔ ماحولیاتی تنقید کا مرکز زمین ہے۔

> As feminist criticism examines language and literature from a gender-conscious perspective, and Marxist criticism brings an awareness of modes of production and economic class to its reading of texts, ecocriticism takes an earth-centered approach to literary studies.[4]

زمین پر انسان نے قدم رکھا تو زمین کی محبت اس کے دل میں جا گزیں ہوئی۔ وہ فطرت کا دوست ٹھہرا اور قدرتی ماحول میں رچ بس گیا، سورج، چاند، ستارے، جنگلات اور پتھروں کے درمیان گزر کرتا رہا۔ ایک آئیڈیل ماحول اسے میسر تھا۔ وہ علوم میں ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ فطرت سے بھی ہم آہنگ ہوتا چلا گیا۔ مختلف علوم سے سماج کو روشن کرنے لگا۔ مگر جدیدیت کے زمانے میں اس نے وہ ٹیکنالوجی ایجاد کی کہ اس کا رویہ فطرت مخالف ہو گیا۔ اب اس نے فطرت کو روندنا شروع کیا اور اسے تسخیرِ فطرت قرار دیتے ہوئے فطرت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس نے خود کو اتنا متکبر تصور کر لیا کہ جس شے کو مادی ترقی میں رکاوٹ سمجھا اسے پیروں تلے روند دیا۔ انسان کی مادیت پرستی نے نظامِ فطرت میں دخل اندازی کی اور دنیا کے نقشے کو بدل دیا۔ یہ جسے ترقی سمجھ رہا تھا، دراصل وہ ماحولیاتی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یوں انسان نے فطری نظام پر ایک خود ساختہ فطرت (ثقافت) کو مسلط کیا اور ہر سپید و سیاہ کا مالک بن بیٹھا۔ اس نظریے کو بشر مرکزیت (Anthropocentrism) کا عنوان دیا گیا۔ بشر مرکزیت کے نتیجے میں دنیا ماحولیاتی بحران سے دوچار ہوئی۔ تا آں کہ ماحولیاتی علوم نے دیگر فلسفیانہ علوم میں اپنی جگہ بنائی اور نئے چیلنجز کے بارے میں ایک بیانیہ تشکیل دیا۔

ماحولیاتی تنقید دراصل ماحولیاتی بحران کا بیانیہ ہے۔ یہ فطرت سے ثقافت کی سمت منتقلی ہے۔ احمد سہیل کے مطابق یہ فطرت شکنی[5] کا بیانیہ ہے۔ فطرت کسی شے کی اصل حالت یا اصل خوبی ہے جب کسی شے کی اصل حالت کو تبدیل کر دیا جائے تو وہ اپنی فطری ہیئت سے الگ ہو جاتی ہے۔ فطرت اور متعلقاتِ فطرت کے معاملے میں رد و بدل کے رویے، اصل کی بجائے مصنوعی پن اور انسانی مادیت نے فطرت کے سفر کو ثقافتی موڑ دیا۔ ماحولیاتی تنقید میں ماحول (آب و ہوا) میں خرابی پیدا کرنے والے عناصر اور انسان کی جانب سے پیدا کردہ مسائل زیرِ بحث

لائے جاتے ہیں۔ آج ہر طرف کارخانوں کا شور، ٹریفک کے ہارن، گاڑیوں سے خارج ہوتا دھواں، مصنوعی اشیا کی پیداوار، صارفی کلچر، آتش زدگی، زمین بردگی، پہاڑوں کا کٹاؤ، درختوں کا قتل، شہر کاری، جدید ٹیکنالوجی کی یلغار، فیکٹریوں سے خارج ہوتا فضلہ، تیزابی بارشیں وغیرہ ایسے عوامل ہیں جو بشر مرکزیت کے نتیجے میں سامنے آئے اور انسان نے نہ صرف اپنے ساتھ بلکہ دیگر ماحولیاتی اجزا کے ساتھ بھی زیادتی کا رویہ روا رکھا، جس کے مہلک اثرات سے حالیہ ماحول دوچار ہے۔ صنعتوں سے جنم لیتی فضائی آلودگی، جنگلات کی کٹائی، مختلف گیسوں کا ہوا میں گھل مل جانا، سمندوں میں تیل اور کیمیکل کی ملاوٹ سے آبی آلودگی کا بڑھنا اور اس کے نتیجے میں آبی مخلوقات کا مرنا، اوزون میں بڑھتے شگاف ایسے ماحولیاتی مسائل نے ماحولیاتی تھیوری کو جنم دیا۔ گویا ماحولیاتی تنقید نہ صرف طبعی ماحول کی بازگشت کا نام ہے بلکہ یہ قدرتی اور فطری ماحول کے متصادم مصنوعی (man made) ماحول کا بیانیہ بھی ہے۔

اردو نظم میں ماحولیاتی مسائل کا اظہار واضح صورت میں موجود ہے۔ اس حوالے سے بعض تحقیقی و تنقیدی سطح کے کئی مقالات بھی سامنے آ چکے ہیں، محققین و ناقدین میں ڈاکٹر طارق ہاشمی، ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ڈاکٹر اکرام قریشی اور عرفان حیدر کے نام نمایاں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو غزل کا بھی ماحولیاتی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ کیا جائے۔ اردو غزل کا ماحولیاتی تناظر میں مطالعہ کرنا قدرے مشکل امر ہے۔ جہاں تک کلاسیک اردو غزل کا تعلق ہے تو اس میں ماحولیاتی لفظیات کا استعمال تو مل جاتا ہے مگر عشقیہ و رومانی تناظر میں ملتا ہے۔ میر صاحب کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

مذکورہ شعر میں لفظ دھواں کا تعلق جنگلات میں لگی آگ یا کوڑے دان کی آگ سے نہیں ہے بلکہ یہ دل کی جلن ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں نگر کا لوٹا جانا کوئی خارجی مسئلہ نہیں بلکہ یہاں نگر دل کا استعارہ ہے۔ غزل کی فضا چوں کہ باطنی ہے، اس لیے غزل (اکثر حصہ) داخلیت سے متصل رہی جبکہ ماحولیاتی تنقید خارجی فضا

سے متعلق ہے۔البتہ کلاسیکی غزل میں مظاہر پرستی کا بیانیہ موجود ہے جو کہ ماحولیاتی تنقید کے اصول 'ہر شے تکلم کی صلاحیت رکھتی ہے' سے متعلق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جدید اردو غزل میں ماحولیات کے حوالے نئے طرق پر سامنے آئے۔اردو غزل مذہبی، سماجی، سیاسی، ثقافتی اثرات کو قبولتی رہی ہے۔

جب 1960 میں مغرب میں ماحولیاتی مباحث کا آغاز ہوا اور ماحول کے تحفظ کے لیے کئی تنظیمیں وجود میں آئیں تو نہ صرف اخباروں میں ماحولیاتی خبریں شائع ہوئیں بلکہ ماحولیاتی کالم بھی کثرت سے لکھے گئے۔اس دور میں مغربی ادیبوں نے شعر وادب میں بھی ماحولیاتی مسائل کا اظہار کیا، مغربی ناولوں اور منظومات میں ماحولیات پر کھل کر اظہارِ خیال کیا گیا۔ رفتہ رفتہ مشرق میں بھی ماحولیاتی مسائل نے زور پکڑا۔ یہاں کے ادب نے نہ صرف سماج سے اثرات قبول کیے بلکہ ماحول کے اثرات سے بھی بہرہ مند ہوا،(اس حوالے سے ڈاکٹر شازیہ رزاق کا مضمون "اردو ادب پر ماحولیاتی علوم کے اثرات" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے) سو افسانوی ادب اور اردو نظم میں تو ماحولیاتی مسائل کا بیانگ دہل اظہار ہوا ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ اردو غزل پر بھی ماحولیاتی اثرات پڑے۔ دنیائے اردو غزل میں جن شاعروں کے ہاں جدید ماحولیاتی مسائل نسبتاً نمایاں ہوئے ان میں فریاد آزر، رئیس فروغ، ثروت حسین، عرفان صدیقی، بشیر بدر، سلیم کوثر، لیاقت علی عاصم، انور شعور، عباس تابش، شاہین عباس، ادریس بابر، شفیع حیدر دانش، شاہد ماکلی، عمیر نجمی کے نام لیے جا سکتے ہیں مگر میرے خیال سے افضل گوہر غزل کا واحد شاعر ہے جس نے ماحولیاتی مسائل کو زیادہ محسوس کیا اور اس موضوع پر کثرت سے اشعار کہے۔ البتہ ان کی غزل صحافیانہ شکل اختیار نہیں کرتی بلکہ ان کی غزلوں میں شاعری کی روح (ادبیت و شعریت) برقرار رہتی ہے۔ گویا مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ افضل گوہر نے غزل میں نئے امکانات تلاشے ہیں۔

ماحولیات زمین مرکز ہے۔ زمین کی موجودگی گویا حیات کی موجودگی ہے۔ زمین کی خوبصورتی، اس کی زرخیزی اور سبزے میں ہے، جن کے بغیر حیات کا تصور بھی ممکن نہیں۔ مگر مادہ پرستی کے باعث زمینی حسن اور رعنائی کو بشر روندتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا مادیت پرست ذہن نئی آبادیاں قائم کرنے کے چکر میں جنگلات سے دشمنی مول لے چکا ہے۔ شجر و حجر کا کٹاؤ زمین کی پختگی اور حسن کو کم کر رہا ہے، افضل گوہر کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ گلوبل وارمنگ کا سبب انسانی ثقافتی نظام ہے۔ نئی ٹیکنالوجی اے سی، ریفریجریٹر، مشینوں اور گاڑیوں سے خارج ہوتا دھواں گرمی کے بڑھتے درجہ حرارت کے اسباب ہیں۔

بیج بو بو کر ہمارے کھو گئے مٹی میں ہاتھ
خشک سالی نے مگر کھیتوں کو بنجر کر دیا

منظر اُجڑ گیا ہے مرے آس پاس کا
تنکا ہی لہلہائے کہیں سبز گھاس کا

افضل گوہر کا سفرِ شاعری جو مزاح سے شروع ہوا تھا رفتہ رفتہ سنجیدگی کی سمت رُخ کرنے لگا۔ ایسی سنجیدہ شاعری کی جانب جس میں جدت اور تازگی موجود ہے۔ وزیر آغا نے افضل گوہر کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے کہا تھا "مجھے افضل گوہر کی غزل کا مستقبل تابناک دکھائی دیتا ہے"[6]۔ ظفر اقبال نے اپنے ایک مضمون میں پاکستان کے دس بڑے شاعروں کا تذکرہ کرتے ہوئے افضل گوہر کو شاملِ فہرست کیا تھا۔ افضل گوہر نئے رجحانات اور جدید طرز کے توانا شاعر ہیں۔ ان کے ہاں زرم و بزم کے علاوہ ایک خاص موضوع ماحولیات ہے۔ وہ ماحولیاتی بحران کے اسباب، مسائل اور نتائج تینوں پہلوؤں پر بات کرتے ہیں۔ افضل گوہر کے ہاں زمینی اور فضائی ماحولیات پر بیسیوں اشعار موجود ہیں۔ فضا میں ہم سانس لیتے ہیں، آلودگی سے علاحدہ فضا ہماری زندگی کی ضامن ہے اور فضائی آلودگی ہماری موت کا ذریعہ، جس کی مثال ماضی قریب میں پھیلنے والا کرونا وائرس ہے۔ پلاسٹک کے بہت زیادہ استعمال اور کوڑے کے تعفن سے ہمارے ارد گرد کی فضا متعفن ہو چکی ہے۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق کوڑے کو آگ لگانا جرم ہے مگر ہم اپنے آس پاس راستوں سے گزرتے ہوئے کوڑے کو آگ لگی دیکھتے ہیں جس سے فضا آلودہ ہوتی ہے، ایسی صورتِ حال میں جانداروں کے لیے طبعی زندگی گزارنا مشکل ہوتا جا رہا ہے، سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے اور کئی طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ ایسے ماحول کو جہاں سائنس دانوں نے موضوع بنایا وہیں ادیبوں اور شاعروں نے اس کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسے شعری صورت میں ڈھالا۔ افضل گوہر اس صورتِ حال کا خوب ادراک رکھتے ہیں، وہ مضافاتی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں فطری ماحول میسر ہے مگر ان کا گھر چوں کہ ایک گندے نالے کے قریب ہے سو تعفن اور متعفن فضا سے پھیلتی بیماریوں کے بارے نہ صرف جانتے ہیں بلکہ اس پر کڑھتے اور اظہارِ خیال بھی کرتے ہیں۔

وہاں پہ سانس کی مہلت کا کیا یقین کریں
کہ خود دھوئیں سے جہاں کھانستی ہوا آئی

لوگوں کا سانس پھول گیا ہے تو کیا ہوا
اس شہر کی ہوا بھی نہیں ہے حواس میں

جانے کیا عارضہ لاحق ہے ہوا کو گوہر
سانس لیتا ہوں تو ہر سانس میں آلودگی ہے

یہاں تو سانس بھی لینا محال ہے مرے دوست
دعا نہ دے کہ میں عمریں گزار کر جاؤں

مذکورہ اشعار فلسفہء مقامیت کو توجہ کے دائرے میں لاتے ہیں۔ یہ اختصاص ماحولیاتی تنقید کا ہے کہ یہ طرزِ مطالعہ مقامیت کو آفاقیت پر ترجیح دیتا ہے۔ حیاتیاتی مقامیت ایسا ثقافتی مظہر ہے جس کی بنیاد سرحدوں کی بجائے اس خطے کے مخصوص موسم، طبعی حالات اور آب و ہوا پر منحصر ہوتی ہے۔ ادبی تھیوری کی جڑیں جس بھی سرزمین سے پھوٹی ہوں، اہم یہ ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق کس ماحول پر کیا جا رہا ہے۔ جدیدیت نے جو بیانیے تشکیل دیے تھے، مابعد جدیدیت نے ان کا رد کیا، یوں ایک نکتہ آفاقیت سے مقامیت کی سمت شفٹ کا بھی واگزاشت ہوا۔ مذکورہ اشعار میں 'اس شہر' اور 'یہاں'' ایسے الفاظ مقامی حیات کی سمت نشان دہی کرتے ہیں۔

ماحولیات کا بنیادی قانون کامنر نے ان الفاظ میں بیان کیا Everything is connected to everything else.[6] بشر مرکزی فلسفے میں تمام مرکزیت بشر/انسان کو حاصل تھی اور ماحول اور متعلقاتِ ماحول کو حاشیے پر دھکیل دیا گیا تھا مگر ماحول مرکز فلسفے میں تمام اشیا برابری کا درجہ رکھتی ہیں۔ ایکولوجی بشر مرکزیت کے اسی طرح مخالف رویہ ہے جیسے تانیثیت، مرد مرکزیت مخالف رویہ ہے۔

ماحولیاتی تنقید تمام جانداروں اور غیر جانداروں کو موضوع بناتی ہے۔ یہ انسان کو باقی تمام جانداروں (چرند، پرند، درند، حشرات) اور عناصرِ فطرت کے برابر درجہ دیتی ہے۔ اس حوالے سے سکاٹ رسل سینڈرز (Scott Russell Sanders) کا مضمون Speaking a Word for Nature اور

کرسٹوفر مینز (Christopher Manes) کا مضمون Nature and silence اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ کرسٹوفر کہتا ہے کہ ہر مخلوق زبان رکھتی ہے اور سمجھ بوجھ کی حس سے بھی بہرہ ور ہے۔

> Those that see the natural world as disparate, not just people, but also animals, plants, and even entre entities such as stones and river are perceived as being articulate and at times intelligible subject, able to communicate and interact with humans for good or ill. In addition to human language, there is also the language of birds, the wind, earthworms, wolves and water fall.[7]

وزیر آغا کہتے تھے کہ جب میں درختوں کے قریب جاتا ہوں تو یہ مجھ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ ماحولیاتی تنقید میں ایک اصطلاح بن نگاری ہے، جس میں جنگلات اور اس کے متعلقات کے بارے تحریر کیا جاتا ہے۔ مابعد جدید عہد کی شاعری میں بن نگاری کے حوالے واضح ہو کر ہمارے ادب کا حصہ بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے لگتا ہے شجر بھی کوئی زندہ شخص تھا
کٹ گیا تو ٹہنیوں سے خون جاری ہو گیا

عجیب حال کیا پھول توڑ کر اس نے
مجھے لگا کہ مرا دل نکال رکھا ہے

افضل گوہر درخت کو انسان کے برابر دیکھتے ہیں، ان کے ہاں درخت کا قتل، انسان کے قتل کے مترادف ہے، وہ شجر میں انسان اور پھول میں انسانی دل دیکھتے ہیں۔ جس طرح انسانی جسم میں خون کی گردش کا نظام ہے، اگر وہ چلتا رہے تو حیات قائم رہتی ہے رک جائے تو موت لاحق ہو جاتی ہے، کچھ ایسی ہی صورت مذکورہ شعر میں ہے، دوسرے شعر میں پھول کے توڑنے کو دل کے توڑنے کے مماثل قرار دے کر تشبیہاتی سلیقہ برتا گیا ہے، اس سلیقے میں جہاں شعر کی ادبیت برقرار رہتی ہے، وہیں ایک پھول باحواس اور مجسم صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ افضل گوہر پھول توڑنے کے عمل کو قابلِ گرفت سمجھتے ہیں اور یوں ان کی شعری کائنات کا رخ

فطرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ 'ایسے لگتا ہے شجر بھی کوئی زندہ شخص تھا' والے شعر کی قرات سے ذہن مجید امجد کی نظم "توسیعِ شہر" کی طرف پلٹتا ہے، جس میں سڑک کے کنارے کھڑے درختوں کو مادیت زدہ سوچ کے تحت کاٹ دیا جاتا ہے اور ایک خطے کو ویران کر دیا جاتا ہے۔ غزل میں بڑا رجحان عشقیہ موضوعات کا ہے مگر ماحولیات پسندوں کی طرح افضل گوہر فطرت سے لگاؤ رکھنے والا شاعر ہے۔ اختر رضا سلیمی لکھتے ہیں:

> ''نفسیاتی تنقید بتاتی ہے کہ افضل گوہر عورت کی نفسیات کو اچھی طرح جان گیا ہے۔ اسے پتا ہے کہ صنفِ نازک تو نثری گفتگو، حتیٰ کہ نثری نظم سے بھی رام ہو جاتی ہے اسے غزل جیسی وحشی صنفِ سخن سے مارنے کی کیا ضرورت ہے اس کے نزدیک عورت کو بزبانِ غزل مخاطب کرنا محض لفظوں کا ضیاع ہے یہی وجہ ہے کہ غزل میں وہ صرف پرندوں، پھولوں، پیڑوں اور پہاڑوں وغیرہ سے مخاطب ہوا ہے کہ ان سے گفتگو کرنے کا اس کے پاس یہی ایک وسیلہ ہے۔''[8]

ماحولیاتی تنقید میں ایک اصطلاح بَن نگاری ہے، جس سے مراد جنگلات کے بارے میں لکھنا ہے۔ جنگلات کا سبزہ اور درخت ہمیں آکسیجن کی صورت زندگی بخشتے ہیں۔ دنیا کی ماحولیاتی تاریخ میں ایمیزون کے جنگلات میں آتش زدگی کسی المیے سے کم نہیں۔ جنوبی امریکہ کے یہ جنگلات کئی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور اربوں زندگیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، جن میں ہزاروں قسم کے جانور اور حشرات کی سینکڑوں اقسام جو عموماً ثقافتی خطوں سے معدوم ہوتی جا رہی ہیں، پائی جاتی ہیں۔ یونائیٹڈ نیشن انوائرنمنٹ پروگرام کی 2006 کی ایک رپورٹ کے مطابق پوری زمین کی کل آکسیجن کا 20 فیصد حصہ ایمیزون کے جنگلات سے حاصل ہوتا ہے، مگر اب انسان کی مادی سوچ نے ان جنگلات کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا ہے اور رفتہ رفتہ یہ آکسیجن کے حصول کی شرح مسلسل کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بن نگاری میں انسان کا جنگلات پر حق اور تعامل کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے۔ ماہرینِ ماحولیات کے مطابق انسان کو فطرت کے ساتھ کسی قسم کے من پسند تعامل کا حق حاصل نہیں۔ انسان ساختہ قوانین زمین مرکز ہونے چاہئیں نہ کہ زمین گریز۔ اسے زمین کی اخلاقیات کا ہر صورت خیال رکھنا ہو گا ورنہ انسان جلد ہی معدوم ہو جائے گا۔ ماحولیات کے مطابق انسانوں کے معدوم ہو جانے سے ماحول کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے مگر ماحولیاتی تباہی سے انسانوں کا خاتمہ یقینی ہے۔ اگر تمام انسان مر جائیں تو ایک عرصے تک فطری ماحول اپنی اصل حالت میں

نمو پذیر ہوتا فروغ پا جائے گا اور پھر اس ماحول (فطرت) میں آنکھ کھولنے والا شخص صحت مند اور توانا کہلانے کا حق رکھ سکے گا۔

تیز ہوا، طوفان اور سونامی سے درختوں کا ٹنڈ منڈ ہونا اور اکھڑ جانا ایک قدرتی عمل کے تحت ہوتا ہے، مگر انسانوں کے ہاتھوں جنگلات کی کٹائی (جس کے پیچھے مابعد نو آبادیاتی کاروباری ذہنیت کارفرما ہے) سے آلودگی کا پھیلنا، زمینی درجہ حرارت کا بڑھنا اور پرندوں کا اس خطے سے کوچ کر جانا ایک ثقافتی المیہ ہے۔ افضل گوہر کو ان دونوں پہلوؤں کا بخوبی ادراک ہے۔

صرف پیڑوں پہ تباہی نہیں آتی گوہر
تیز آندھی سے پرندے بھی ڈرے رہتے ہیں

پیڑ کیا ٹوٹا ہے گوہر آندھیوں کے زور سے
شاخ پر بیٹھا پرندہ خون سے تر ہو گیا

شاخیں بھی بیچ دیں گے ثمر ٹوٹنے کے بعد
باقی کہاں بچے گا شجر ٹوٹنے کے بعد

پھر آسماں بھی ہمیں چھاؤں دے نہیں سکتا
ہم اپنے پیڑ اگر بار بار کاٹیں گے

کون سا سمندر میں ایسا آ گیا طوفان
ساحلی پرندوں سے ہر چٹان خالی ہے

افضل گوہر کا دل ایسے پُر درد واقعات پر کُڑھتا ہے جن کا اظہار وہ اپنے شعروں میں کرتا ہے۔ اس کا دل، تیز آندھیوں کے نتیجے میں پرندوں پر پڑتے خوفناک اثرات سے دہلا ہوا ہے، شدید آندھیوں سے پرندوں کا بچنا تو دور یہاں پیڑ اپنی جڑوں تک سے اکھڑ جاتے ہیں۔ افضل گوہر کی پرندوں سے محبت دیدنی ہے۔ پرندوں پر ہوتا ظلم

اسے کسی صورت برداشت نہیں، کبھی وہ درختوں کے اجڑنے سے جنم لیتی پرندوں کی اداسی پر اشک ریزی کرتا ہے تو کبھی سمندری طوفان کے نتیجے میں پرندوں کی آماجگاہ کا ڈوبنا اور ساحلوں کا ویران ہونا اسے اداس کر جاتا ہے۔

> ماحولیات کا اصل مسئلہ انسان کی طرف سے ہے۔ قدرت کی جانب سے ماحولیاتی ردوبدل کا عمل ماحولیاتی توازن برقرار رکھتا ہے جبکہ ثقافتی طرزِ عمل کے نتیجے میں جنم لیتی ماحولیاتی تبدیلیاں فطری ماحول کو صرف نقصان ہی نہیں پہنچاتیں، دھرتی کے توازن میں بگاڑ بھی پیدا کر دیتی ہیں۔ ماحولیاتی مؤرخ ورسٹر کہتا ہے "معاصر عہد کے ماحولیاتی مسائل بشمول آب و ہوا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں(climate changes) سے پیدا ہونے والے بحران کا مرکز انسانی کلچر میں ہے، اور ان مسائل کے حل کے لیے بھی ہمیں انسانی علوم کا سہارا چاہیے"[9]

ماحولیاتی تنقید فطری منظر نگاری کی تکنیک کو فنی خوبی شمار کرتی ہے۔ جیکسن اپنے مضمون Discovering the vernacular landscape میں منظر پر بات کرتے ہوئے اسے دو سطحوں پر دیکھتا ہے۔ ایک مقامی منظر اور دوسرا سرکاری منظر۔ جیکسن کے نزدیک مقامی منظر دیہی اور فطری منظر ہے جبکہ سرکاری منظر اس پر تسلط قائم کر کے فطرت شکنی کو راہ دیتا ہے۔ اس کے مطابق یہ کام مقتدر طبقے کا ہے جنھوں نے جنگلات کا صفایا کیا اور ہواؤں میں زہر گھولا۔ وہ کہتا ہے کہ شہری منظر دیہی منظر پر اتنا غالب آ چکا ہے کہ اب دیہاتی لوگ بھی اپنے منظر سے ناآشنا ہوتے جا رہے ہیں۔

ایسے تبدیل ہوئے جاتے ہیں موسم گوہر
پہلے جنگل میں تھی اب باغ میں ویرانی ہے

ورنہ رکنا تھا کہاں ہم نے ترے گاؤں میں
پیڑ نے کھینچ لیا خود ہی ہمیں چھاؤں میں

کاش مل جائے کہیں سے بھی ذرا سی چھاؤں
دھوپ بھی تیز ہے اور لوگ بھی گھبرائے ہوئے

شہر نے رخ کر لیا ہے جب سے گاؤں کی طرف
دھوپ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے چھاؤں کی طرف

اس لیے شہر میں جگنو نظر آتے ہی نہیں
ہم یہاں گاؤں کے تالاب نہیں لا سکتے

اس مقام پر ماحولیاتی تنقید مارکسی تنقید سے قربت کا ناطہ جوڑتی ہے اور دھیان داس کیپیٹل کی طرف جاتا ہے۔ مارکسزم میں پورژوا طبقہ پرولتاریہ کا استحصال شہر کاری کی صورت میں بھی کرتا ہے۔ شہر کاری، صارفی کلچر اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے زندگی کی رعنائی ہم سے چھین لی ہے۔ فاسٹ فوڈ اور پلازوں میں تو ہجوم نظر آتا ہے مگر فطری خطے ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ انساں* ہیں۔ (روحِ اقبال سے معذرت کے ساتھ) افضل گوہر کے بقول باغ میں، جہاں لوگ خاموشی کی صدا اور سبزے کی نظارگی سے لطف حاصل کرنے آتے تھے، لوگوں سے خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ شہر کے مصنوعی ماحول پر قدرتی ماحول کو اہمیت دیتے ہیں۔ انھیں ہمیشہ سے دیہی منظر پسند رہا ہے، جو انھیں اپنی سمت کھینچتا ہے۔ درج بالا اشعار میں 'موسم'، 'جنگل'، گاؤں'، چھاؤں'، 'تالاب'، 'جگنو' اور 'پیڑ' ایسی لفظیات فطری مناظر کا اشارندہ ہے۔

ولیم روئیکرٹ جس نے ماحولیاتی تنقید کی اصطلاح کو رواج دیا، نظم کو محفوظ توانائی کی صورت قرار دیتا ہے۔ لفظ نظم کو وسیع معنوں میں شعر و ادب پر منطبق کیا جائے تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔ وہ کہتا ہے کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادب اور کرہ حیات کے مابین رابطہ بحال کیا جائے۔ جس طرح زمین پر توانائی کا اظہر ذریعہ سورج ہے، اسی طرح ادب پارہ بھی طاقت و توانائی کا ذریعہ ہے۔ ماحولیات میں ہر شے دوسری شے سے ایسے ہی مربوط ہے جیسے نظم میں ربط کی خوبی، نظم کی تمام لائنیں باہمی ارتباط رکھتی ہیں۔ اس کے بقول ایک ادبی فن پارہ اپنے اندر محفوظ توانائی رکھتا ہے۔ جب کسی ادبی فن پارے کی قرات کی جاتی ہے تو وہ محفوظ توانائی کا اخراج کرتا ہے۔ شاعری کی قرات صرف اس میں موجود الفاظ کے معنی کو ہی نہیں کھولتی بلکہ زبان کے اندر انتقالِ توانائی کا عمل بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ادب کا مطالعہ، تدریس اور تنقیدی ڈسکورس شاعری میں موجود توانائی کا اخراج کرتے ہیں تاکہ یہ توانائی معاشرے میں بھی جاری رہ سکے۔

ماہرینِ ماحولیات شہر پر دیہات کو ترجیح دیتے ہیں۔ گاؤں میں شہروں کے اثرات سے گاؤں کا خالص ماحول ملاوٹی ہو رہا ہے (بلکہ کافی حد تک ہو چکا ہے)، نئی ٹیکنالوجی اور صنعتوں کے بڑھنے اور مصنوعات کے استعمال کی زیادتی سے پیدا ہوتی خرابیاں، ماحولیاتی تباہی کی علامات ہیں۔ ایک طرف سبز خطوں اور فصلوں کے کمی سے جبکہ دوری طرف فیکٹریوں کی زیادتی سے گرمی کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ گاؤں کے اطراف میں شہروں کی طرز پر نئی آبادیوں کا رجحان ہمارے ماحول کو بڑی سُرعت سے بدل رہا ہے۔ اس اضافے کا ایک سبب اوزون کی تہہ میں سوراخ کا ہونا ہے، اللہ تعالی نے ہماری حفاظت کے لیے اوزون لئیر (Ozone layer) کو ایک حفاظتی بیرئر بنایا ہے، جو سورج کی خطرناک شعاعوں (ultraviolet rays) کو فلٹر کرتی ہیں، انسان ساز ماحول سے اس لئیر (layer) میں سوراخ بڑھ رہے ہیں، صنعتی ترقی اور صنعتی اشیا کے حد سے زیادہ استعمال سے خارج ہوتا کلورو فلورو کاربن اس کا سبب ہے۔ گرین ہاؤس کے اثرات (greenhouse effects) کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ماحول میں افضل گوہر سائے کا متلاشی ہے۔ وہ انسانوں کی زندگیوں کے بارے فکر مند ہے۔ اسے گاؤں زادہ ہونے پہ فخر ہے۔

آج کا ایک اہم مسئلہ پانی کی قلت ہے۔ گلیشیئرز سے پانی تیزی سے پگھل رہا ہے اور سمندری پانی میں اضافہ ہو رہا ہے جس سے سمندر میں طوفان آرہے ہیں، اگر یہی صورت رہی تو تمام گلیشیئرز پگھل جائیں گے اور پھر ضرورت کا پانی بھی میسر نہ ہو گا۔ پاکستان میں ڈیموں کی اشد ضرورت ہے جن میں پانی ذخیرہ کیا جا سکے ورنہ چند سالوں میں یہاں کے باشندے پانی کو ترسیں گے۔ گرمی کی اس شدت اور پانی کے ضیاع کی صورتِ حال میں افضل گوہر کے بقول انسان ہی تشنہ لب نہیں بلکہ کئی دریا ریت ہو گئے ہیں۔ انہیں اس تشنگی میں ایک گلاس بھی دریا کے برابر محسوس ہوتا ہے۔

ہم بھی پیاسے ہیں کہیں کس سے کہ رُت ایسی ہے
جس میں دریا بھی ترس جاتے ہیں پانی کے لیے

گوہر ہماری پیاس سے حالت عجیب ہے
رکھا ہوا ہے میز پہ دریا گلاس میں

ع "اسے دیکھیں کہ اس میں ڈوب جائیں" کے مصداق پانی کا حسن اس کی شفافیت اور بہاؤ میں ہے، ورنہ کائی کے جمنے سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے اور پاکیزگی کے وصف سے محروم ہو جاتا ہے۔ میز پہ دریا کا ہونا، اس بات کا اشارندہ ہے کہ پانی کی مقدار کمیاب ہے۔ پانی کا آلودہ ہونا ایک مسئلہ ہے جبکہ پانی کا معدوم ہونا دوسرا مسئلہ ہے۔ سندھ کے پس ماندہ علاقے ہوں یا اسلام آباد، لاہور ایسے شہر، پانی کی قلت بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ پانی کی قلت کسی جنگی صورتِ حال سے کم نہیں۔

نالی میں جو پہنچا ہے تو دم توڑ رہا ہے
بہتا ہوا پانی خس و خاشاک پہن کر

ٹھہرے ہوئے جوہڑ میں ہے کیچڑ کا تعفن
بہتا ہوا دریا کبھی کائی نہیں دیتا

پانی کے خس و خاشاک پہننا اور کیچڑ کا تعفن، دونوں مسئلے آبی آلودگی کا اشارندہ ہیں۔ پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جس کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بورژوا طبقہ قدرِ زائد کے چکر میں اسے آلودہ کرتے جا رہے ہیں۔ کراچی سے شکار کی جانے والی مچھلیوں کے پیٹ سے پلاسٹک کا برآمد ہونا، آبی آلودگی کی ایک واضح دلیل ہے۔

صارفی کلچر موسم کی حدت میں اضافے کا اہم محرک ہے۔ ماہرینِ ماحولیات سرمایہ داری کلچر کو موسمیاتی حدت کے محرک کے طور پر شناخت کرتے ہیں۔ بڑی گاڑیوں کا استعمال عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ یہ کلچر سرمایہ دار طبقے کا ہے، جن کے استعمال سے خارج ہوتی زہریلی گیسیں جانداروں کی موت کی علت ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے۔

گاڑیوں کا بھی دھواں پھیل رہا ہے گوہر
اور پیڑوں سے نکلتی نہیں بیمار ہوا

اسلوب دیکھیے کہ افضل گوہر جدید صنعت کا ذکر کرتے ہوئے بھی شعروں میں ایسے الفاظ نہیں لاتے جو شعر کی روانی کو متاثر کریں ورنہ آج کے بعض نئے شعرا نیا شعر کہنے کے چکر میں نئی ٹیکنالوجی کی مخصوص اصطلاحات کے استعمال سے شعر کی شعریت زائل کرتے دیر نہیں لگاتے۔ مسئلہ موضوع کا نہیں بلکہ سلیقے کا ہے،

شعر کے لیے سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ اوپر درج کیے گئے افضل گوہر کی غزلوں سے چند شعری مثالیں پیش کی گئی ہیں، اگر ان مثالوں کو سامنے رکھا جائے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ افضل گوہر ماحولیات کا شاعر ہے اور اس کی غزلیں ماحولیاتی توانائی کا ایک ذریعہ ہیں۔

حوالہ جات

1. John Barry, Environment and social Theory, Second edition, 2007, Roultedge, p:13.
2. Cheryll Glofelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology(Athens: University of Georgia press, 1996), P:16
3. Cheryll Glofelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology(Athens: University of Georgia press, 1996), P:18
4. Garrard, G. (2007). Ecocriticism and Education for Sustainability. *Pedagogy 7*(3), 359-383. https://www.muse.jhu.edu/article/222137.
5. ماحولیاتی ادبی تنقید کا نظریہ، از احمد سہیل، مشمولہ: اردو ادب اور سبز انتقاد، عبداللہ نعیم رسول، (سرگودھا: عقیدت پبلی کیشنز، 2024)، ص 68
6. Cheryll Glofelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology(Athens: University of Georgia press, 1996), P:108
7. Literary studies in an age of environmental crisis, Cheryll Glotfelty, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, Edited by:, Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, University of Georgia press Athens, 1996, P:15
8. دیباچہ از اختر رضا سلیمی، مشمولہ: ہجوم، افضل گوہر، حرف اکادمی، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء، اگست، ص: ۶۱
9. Wroster, D. "The two cultures Revisited: Environmental History and the Environmental Sciences", Environment and History 2, No 1, Lammi Symposium special issue (Feb, 1996), 3-14